نکاح اور رخصتی پر تحدید عمر

ابوالفتح محمد یوسف عفی عنہ
ممبر اسلامی نظریاتی کونسل اسلام آباد

۲۵ ربیع الثانی ۱۴۳۳ھ بمطابق ۱۹ مارچ ۲۰۱۲ء

خاندانی نظام کی اہمیت:

۱۔اس عالم کی بقاء انسان کی بقاء اور اس کی روحانی و مادی تربیت اور ترقی کے ساتھ وابستہ ہے۔

۲۔انسان باقی حیوانات سے اپنے شعور، عقل اور انسانوں میں پائی جانے والی باہمی الفت اور ہمدردی کے جذبات کی وجہ سے ممتاز ہے۔

۳۔باقی حیوانات میں چونکہ عقل موجود نہیں ہے اور نہ ہی ان کے عالم میں تمدن کا کوئی دخل ہے اس لئے ان میں باہمی تصادم کا امکان بھی نہیں ہے جس کی وجہ سے اس بات کا خطرہ ہو کہ ان میں کسی قسم کا کوئی تصادم کسی بڑی تباہی کا پیش خیمہ بن سکے گا۔

۴۔ماں کے پیٹ سے لیکر لحد تک انسان حاجات اور ضروریات کا اسیر ہے اور یہ ناممکن ہے کہ انسانوں کے باہمی تعاون اور موانست کے بغیر یہ اپنی زندگی بسر کرسکے۔

۵۔اگر انسان کی تربیت سے اغماض برتتے ہوئے اس کو اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے تو اس بات کا قوی احتمال ہے کہ ایسا شخص انسانیت کیلئے ناسور بن جائے۔اس سلسلہ میں یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ انسانی تباہ کاریوں میں دو چیزوں کو زیادہ دخل رہا ہے۔

اولا: لذات نفسانیہ:

کہ ہر طاقتور اپنی ہوس کی تسکین کیلئے تمام حدود کو پس پشت ڈال دیتا ہے اور جو جی میں آتا ہے کر گزرتا ہے۔اس بیماری کی مذمت قرآن میں یوں کی گئی ہے۔

" زین للناس حب الشهوات من النساء والبنین والقناطیر المقنطرة من الذهب والفضة والخیل المسومة والانعام والحرث " ۔ (آل عمران: ١٤) ۔

ترجمہ: لوگوں کو مرغوب چیزوں کی محبت نے فریفتہ کیا ہوا ہے جیسے عورتیں اور بیٹے اور سونے چاندی کے جمع کئے ہوئے خزانے اور نشان دیئے ہوئے گھوڑے اور مویشی اور کھیتی۔

اسی طرح ارشاد فرمایا:

" ائنکم لتاتون الرجال شهوة من دون النساء وانتم قوم تجهلون " ۔

(سورة النمل : ٥٥) ۔

ترجمہ: کیا تم عورتوں کو چھوڑ کر مردوں پر خواہش کرکے آتے ہو۔ بلکہ تم لوگ جاہل ہو۔

ثانیاً: آمرانہ پن:

کہ انسان میں ایک ایسی تعلّی اور ہمہ گیری کی ہوس پیدا ہوجاتی ہے کہ وہ چاہتا ہے کہ اپنے زور بازو اور طاقت کے بل بوتے پر ساری دنیا کو نیچا دکھاؤں اور پوری انسانیت کو اپنا باج گزار بناڈالوں۔ قرآن میں کئی ایسی آیات موجود ہیں جو انسان کی اس باطنی بیماری کی نشاندہی کرتی ہیں۔ اللہ تعالی ارشاد فرماتے ہیں۔

" ان فرعون علا فی الارض وجعل اهلها شیعا " ۔ (القصص : ٤) ۔

ترجمہ: بے شک فرعون زمین پر سرکش ہوگیا اور وہاں کے لوگوں کے کئی گروہ کردیئے تھے۔

اور ارشاد فرمایا:

" انه کان عالیا من المسرفین " ۔ (الدخان : ٣١) ۔

ترجمہ: بیشک وہ ایک سرکش حد سے بڑھنے والا تھا۔

اس دور میں اگر انسان کی اس ہوسنا کی کا اندازہ کوئی لگانا چاہے تو وہ اس بات سے لگا سکتا ہے کہ گزشتہ صدی میں سرکاری اعداد و شمار کے مطابق قریباً سولہ کروڑ لوگ جنگوں کی نذر ہوئے ہیں۔ ظاہر ہے کہ حقیقی اعداد و شمار اس سے کئی گنا زیادہ ہوں گے اور جو لوگ اپاہج اور زخمی ہوئے وہ اس کے علاوہ ہیں۔ یہ اعداد و شمار انسان کی وحشت اور بربریت کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ ان جنگوں کی

بدولت جانوں کے ضیاع کے علاوہ جو املاک تباہ ہوئے ہیں ان کو اگر تباہی سے بچا کر صحیح مصرف میں لگایا جاتا تو سالہا سال تک یہ خو شحالی کا باعث بنتے اور بھوک و افلاس کا دنیا میں نام نشان نہ رہتا۔ان ہوی پرستوں نے جہاں خون ریزی کرتے ہوئے بستے رستے کئی ملکوں کو تباہ کیا ہے وہیں ایک اور انداز میں بھی دنیا کو تباہی کے دھانے کی طرف دھکیلا ہے اور وہ اس طرح سے کہ انسانی معاشرے کی بنیادی اکائی یعنی خاندان کا تصور بھی ختم کر دیا ہے حالانکہ قرآن پاک میں خاندان کو انسانیت کی فطری تشکیل کا باعث بتایا گیا ہے اللہ تعالی ارشاد فرماتے ہیں:

" وهوالذی خلق من الماء بشرا وجعل له نسبا و صهر ا " -

(الفرقان: ٥٤) -

ترجمہ: اور وہی ہے جس نے انسان کو پانی سے پیدا کیا اور پھر اس کے لئے رشتہ نسب اور دامادی قائم کیا۔

نظام نکاح خاندان کی تشکیل کی بدایت ہے اور اس کی نہایت کنبہ اور قبیلہ ہے جن کے اللہ تعالی نے آپس میں کئی حقوق اور ذمہ داریاں رکھی ہیں اور ان میں آپس میں فطری محبت اور الفت رکھی ہے اور ایک دوسرے کے نفع نقصان میں ان پر باہم دگر تولیت کا بار رکھا ہے اور اصلاح احوال اور تربیت کو ان کا بنیادی فریضہ قرار دیا ہے۔وہ لوگ جو ان چیزوں کو توڑ کر انسانیت کو اپنی ہوس کا نشانہ بنا تے رہے ہیں آج کئی الجھنوں میں مبتلا ہیں۔

٦۔پیدائش سے لیکر مابعد تک انسان کی تربیت کا نکتہ آغاز کیا ہو اور انسانی معاشرے کی وہ کون سی اکائی ہے جسے انسان کی اولین تربیت گاہ کہا جاسکتا ہے۔اس بارے میں دنیا میں دو بڑے نظریات اور تصورات پائے جاتے ہیں۔

(i) بچہ مادر پدر آزاد ہو اور اس کی تربیت اور افزائش فقط حکومت اور اس کی مشینری کی ذمہ داری ہو۔کھانے، پینے، پہننے، کی بنیادی ضروریات سے لیکر جنسی خواہشات تک کی تسکین تک کے تمام فیصلے لڑکی اور لڑکے کی مرضی کے مطابق ہوں اور اس سلسلہ میں ان پر کوئی قانونی اور اخلاقی قدغن نہ لگائی جائے۔

(ii) انسان کے تربیتی مراحل کی اولین اکائی وہی گھرانہ اور ماحول ہے جس میں اس نے آنکھ کھولی ہے۔تمام رشتے یعنی ماں، باپ ، دادا، دادی، نانا، نانی، بیٹا، بیٹی، خالو، چچا، خالائیں، پھوپھیاں وغیرہ غرض اس کے تمام خاندانی تعلق داروں کو ایک خاندان تصور کیا جائے اور پیدائش کے فورا بعد سے ہی ہر نوخیز کو اس کے بڑے کی فطری محبت، ہمدردی اور تجربے کے حوالے کر دیا جائے اور مزید برآں، نکاح اور دیگر مضبوط مواثیق کے ذریعے ان کو ایک دوسرے سے بایں طور وابستہ و پیوستہ کر دیا جائے کہ ہر شخص دوسرے کا غمگسار

اور مونس ہو۔ دوسرے کا دکھ اس کا دکھ اور دوسرے کی خوشی اس کی خوشی ہو۔

۸۔ اب غور طلب بات یہ ہے کہ ان دونوں نظاموں میں سے وہ کون سا نظام ہے جس کو سابقہ تجربات کی بنیاد پر صحیح اور درست کہا جاسکتا ہے اور وہ کون سا نظریہ جس کو تجربے کے ساتھ ساتھ آسمانی وحی کی تائید بھی حاصل ہے۔ اس سلسلہ میں ذیل میں قرآن وسنت کی روشنی میں چند ملحوظات پیش کئے جارہے ہیں۔

اسلام میں تصور خاندان کی وسعت:

اسلام خاندان کا ایک جامع اور وسیع تصور پیش کرتا ہے۔ جس کے افراد متعین اور واضح حقوق وفرائض کی رو سے مضبوطی سے ایک دوسرے سے منسلک ہیں۔ اسلام میں خاندان کے افراد کا باہمی تعلق کسی مخصوص مدت کیلئے نہیں ہوتا بلکہ قرآن وحدیث میں بیا ن کردہ تفصیلات سے بات عیاں ہوتی ہے کہ ان افراد خاندان کا باہمی ربط وتعلق نہ صرف ان کی پوری زندگی کو محیط ہوتا ہے بلکہ اس طبعی زندگی کے اختتام کے بعد بھی مختلف حیثیتوں سے وہ اس خاندان کے ساتھ ہی مربوط رہتے ہیں۔

اسلام کا خاندانی نظام اپنی روح کے اعتبار سے ایک مستقل حکومت اور سلطنت کا پرتو ہے جس کی رعایا، اس کے خاندان کے افراد ہیں جن میں ذوی الفروض اور عصبات سب شامل ہیں اور انہی کا دوسرا نام ''عشیرۃ'' ہے اور اللہ تعالی نے حیات اور بعد از حیات ان کی ذمہ داریوں اور آپس کے حقوق کا تعین بھی فرمادیا ہے جن کی تفصیلات قرآن کی مختلف سورتوں مثلاً سورۃ البقرۃ، سورۃ النساء، سورۃ النور، سورۃ الطلاق وغیرہ میں دیکھی جاسکتی ہیں۔ مرد کو اس چھوٹی سی حکومت کا سربراہ قرار دیا گیا ہے۔ ارشاد فرمایا:

" وللرجال علیھن درجۃ " ۔

ترجمہ: اور مردوں کو ان پر فضیلت دی ہے۔

اور سورۃ النساء میں اس کی مزید وضاحت کی گئی۔ ارشاد فرمایا:

" الرجال قوّامون علی النساء بما فضّل اللہ بعضھم علی بعض وبما انفقوا من اموالھم ۔فالصلحت قٰنِتَت حفظت للغیب بما حفظ اللہ " ۔ (النساء ۳٤) ۔

ترجمہ: مرد، عورتوں پر حاکم ہیں اس واسطے کہ اللہ نے ایک کو ایک پر فضیلت دی ہے اور اس واسطے کہ انہوں نے اپنے مال خرچ کئے ہیں ۔ پھر جو عورتیں نیک ہیں وہ تابعدار ہیں مردوں کی پیٹھ پیچھے اللہ کی نگرانی میں ان کے حقوق کی حفاظت کرتی ہیں۔

اور باقی تمام افراد کو اس سربراہ کی اطاعت کا حکم دیا گیا۔ آپ ﷺ کے قول "انت و مالك لابيك" ( ) میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔ اولاد کو والدین کی نافرمانی سے منع کیا گیا اور اس کو گناہ کبیرہ بتایا۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے "" "الکبائر الاشراک باللہ وعقوق الوالدین ۔۔(بخاری) کہ کبیرہ گناہوں میں سے ایک والدین کی نافرمانی ہے۔

قرآن پاک میں اللہ تعالی نے والدین کے انتہائی ادب کی تلقین فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

" لا تقل لهما اف ولا تنهرهما " ۔ (بنی اسرائیل:۲۳) ۔

ترجمہ: تو انہیں اف بھی نہ کہو اور نہ انہیں جھڑکو۔

اور افراد خاندان کو باہمی اتصال اور یگانگت کا حکم فرمایا اور ان کو قطع رحمی سے منع فرمایا اور اس بات کی تصریح فرمائی کی قطع رحمی اور باہمی افتراق کسی مسلمان کو لائق نہیں بلکہ یہ تو خدا کے منکرین کا خاصہ ہے۔ ارشاد فرمایا:

" ويقطعون ما امرالله به ان يوصل " ۔ (البقرة:۲۷) ۔

ترجمہ: اور جس کے جوڑنے کا اللہ نے حکم دیا ہے اسے توڑتے ہیں۔

اور مزید تاکید کیلئے قرابت دار کا ذکر اپنے ذکر کے ساتھ مقرون کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

" واتقوا الله الذی تساء لون به والارحام " ۔ (سورة النساء: ۱) ۔

ترجمہ: اس اللہ سے ڈرو جس کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے سے اپنا حق مانگتے ہو اور رشتے داری کے تعلقات بگاڑنے سے بچو۔

دوسری طرف سربراہ خاندان کو افراد خاندان کا راعی قرار دیا اور تنبیہ فرمائی کہ اس ذمہ داری کی ادائیگی میں اگر سستی اور کاہلی سے کام لیا گیا تو بروز قیامت اس سے باز پرس ہوگی۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

" كلكم راع و كلكم مسئول عن رعيته " ۔ (بخاری) ۔

ترجمہ: تم میں سے ہر ایک نگہبان ہے اور ہر ایک سے اس چیز کے بارے جس پر وہ نگہبان ہے، پوچھا جائے گا۔

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

" من ولد له ولد فليحسن اسمه وليودبه فاذا بالغ فليز وجه فان بلغ ولم يزوجه فاصاب اثما فانما اثمه على ابيه " ۔ (روالبیهقی كذا فی المشكوة) ۔

ترجمہ: جس کسی کو حق تعالی کوئی بچہ (لڑکا یا لڑکی) عطا کرے تو اسے چاہئے کہ بچے کا اچھا نام رکھے اور اچھی تعلیم دے اور جب بچہ بالغ ہو جائے تو اس کا نکاح کر دے۔ اگر بچہ بالغ ہو گیا اور باپ نے اس کا نکاح نہ کیا اور بچے سے گناہ سرزد ہو گیا تو اس کا وبال اس کے باپ کے سر ہو گا۔

ایک دوسری حدیث میں ارشاد فرمایا کہ:

" فی التوراة مکتوب من بلغت ابنته اثنتی عشرة سنة ولم یزوجها فاصبت اثما فاثم ذالك علیه " ۔ (رواه البیهقی کذا فی المشکوة) ۔

ترجمہ: توراۃ میں لکھا ہوا ہے کہ جس شخص کی لڑکی بارہ سال کی ہو جائے (یا بالغ ہو کر نکاح کی حاجت مند ہو) اور باپ اس کا نکاح نہ کرے اور لڑکی سے کوئی گناہ ہو جائے تو اس کا گناہ باپ کے سر ہو گا۔

اور شریعت اسلامی کا یہ اصول ہے کہ انجیل یا توراۃ کا جو حکم پیغمبر اسلام نے نقل فرما کر اس کے خلاف کچھ نہ فرمایا ہو تو وہ مسلمانوں کیلئے بھی شرعی حکم ہو جاتا ہے۔

اسلام کا تشکیل کردہ خاندان چند مخصوص افراد کا مجموعہ نہیں بلکہ اس کا دائرہ میاں بیوی، ماں باپ، اور حقیقی اولاد سے تجاوز کر کے انسان کے اصول و فروع تک وسیع ہو جاتا ہے۔ سورۃ النحل میں اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا:

" واللہ جعل لکم من انفسکم ازواجاً وجعل لکم من ازواجکم بنین و حفدةً " ۔ (النحل ۷۲) ۔

ترجمہ: تمہاری ہی قسم سے عورتیں پیدا کیں اور تمہاری عورتوں سے بیٹے اور پوتے دیے۔

تمام انسانیت کی بدایت باہمی نسب اور قرابت سے ہوتی ہے:

اللہ تعالی ارشاد فرماتے ہیں:

" یا ایها الناس اتقوا ربکم الذی خلقکم من نفس واحدة و خلق منها زوجها وبث منهما رجالا کثیراً ونساء واتقوا اللہ الذی تساء لون به والا رحام ان اللہ کان علیکم رقیباً " ۔

(سورۃ النساء:۱) ۔

ترجمہ: اے لوگوں اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی جان سے اس کا جوڑ بنایا اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلائیں۔ اس اللہ سے ڈرو جس کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے سے اپنا حق مانگتے ہو اور رشتہ داری کے تعلقات بگاڑنے سے بچو بے شک اللہ تمہاری نگرانی کر رہا ہے۔

اس آیت میں خاندان کو تمام انسانیت کی بدایت اور مبداء قرار دیا گیا ہے اور تصریح فرمائی گئی ہے کہ انسان اپنی ذات میں منفرد نہیں کہ یہ اپنے دوسرے ابناء جنس سے بے نیاز ہو جائے بلکہ اپنے آغاز کے اعتبار سے تمام بنی نوع انسان یکساں ہیں۔ اللہ تعالی نے ان کو نفس واحدہ سے پیدا فرمایا ہے اور ان کے حسب ونسب کے تانوں بانوں کو اگر ملایا جائے تو تمام افراد انسانیت کا تعلق ایک ہی خاندان سے نکلے گا۔ اور مزید برآں ان کو آپس کی معاشرت کے اصول بھی سکھلائے۔ اس کی ایک مثال ملاحظہ ہو۔ قرآن پاک میں ارشاد فرمایا گیا:

" لیس علی الاعمیٰ حرج وعلی الاعرج حرج ولا علی المریض حرج ولا علی انفسکم ان تاکلو امن بیوتکم اور بیوت ءابائکم اوبیوت امّھتکم اوبیوت اخوٰنکم اوبیوت اخوٰتکم اوبیوت اعممکم اوبیوت عمّٰتکم او بیوت اخوالکم اوبیوت خٰلتکم " - (النور،۶۱) -

ترجمہ: اندھے پر اور لنگڑے پر اور بیمار پر اور خود تم پر اس بات میں کوئی گناہ نہیں کہ تم اپنے گھروں سے کھانا کھایا اپنے باپ یا اپنی ماؤں کے گھروں سے یا اپنے بھائیوں کے گھروں سے یا اپنی بہنوں کے گھروں سے یا اپنے چچاؤں کے گھروں سے یا اپنی پھوپھیوں کے گھروں سے یا اپنی خالاؤں کے گھروں سے یا ان گھروں سے جن کی کنجیاں تمہارے اختیار میں ہیں تم پر کوئی گناہ نہیں۔

خاندان انسان کے راحت اور سکون کا باعث ہے:

قرآن پاک میں اللہ تعالی نے وضاحت فرمادی ہے کہ انسانیت کا سکون اور راحت خاندانی نظام کے انحلال اور تشتیت میں نہیں بلکہ اس کی بقاء اور دوام میں ہے۔ ارشاد فرمایا:

" ومن آیٰته ان خلق لکم من انفسکم ازواجا لتسکنوا الیھا " -

(الروم:۲۱) -

ترجمہ: اور اس کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ تمہارے لئے تمہاری تمہی میں سے بیویاں پیدا کیں۔

اللہ تعالی نے اس نظام میں کسی بھی قسم کے بگاڑ پیدا کرنے سے منع فرمایا ہے اور جن لوگوں نے اس خاندان کی بناء رکھی ہے

ان کی اطاعت اور فرمانبرداری کا حکم دیا ہے۔ارشاد فرمایا:

" وقضی ربك الاّتعبدوا الاایاہ و بالو الدین احسناً " -

(سورۃ --) -

ترجمہ: اور تیرا رب فیصلہ کر چکا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ نیکی کرو۔

خاندان کی تربیت کی ذمہ داری سربراہ خاندان پر ہے:

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے اپنے مقربین اور صالحین کی دعا کو ذکر فرمایا ہے۔

" والذین یقولون ربنا ھب لنا من ازواجنا وذریتنا قرۃ اعین " -

(الفرقان ٧٤) -

ترجمہ: اور جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہمیں ہماری بیویوں اور اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما۔

اسی طرح ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

" والّٰتی تخافون نشوزھن فعظوھن واھجروھن فی المضاجع واضربوھن ـفان اطعنکم فلا تبتغوا علیھن سبیلاً " -

ترجمہ: اور جن عورتوں سے تمہیں سرکشی کا خطرہ ہو تو انہیں سمجھاؤ اور سونے میں جدا کر دو اور مارو۔ پھر اگر تمہارا کہا مان جائیں تو ان پر الزام لگانے کیلئے بہانے مت تلاش کرو۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سربراہ خاندان کی ذمہ داری بس اتنی نہیں سی نہیں کہ وہ اپنی عیال کی محض مادی ضروریات پوری کرے اور انہیں پال پوس کر بلوغت کی عمر تک پہنچا دے اور اس کے بعد ان کی راہنمائی سے کلیۃً دس کش ہو جائے بلکہ اس کے برعکس اس پر یہ ذمہ داری بھی عائد ہوتی ہے کہ وہ اپنے ماتحت افراد خاندان کی اس نہج پر تربیت کرے کہ وہ تمام افراد خاندان کیلئے بالخصوص اور باقی معاشرے کیلئے بالعموم سکون وچین کا سبب بنے۔

افرادِ خاندان کی باہمی مودت ورحمت فطری امر ہے:

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا ہے۔

"ومن آیتہ ان خلق لکم من انفسکم ازواجا لتسکنوا الیھا و جعل بینکم مودۃً ورحمۃً۔ان فی ذلک لآیت لقوم یتفکرون" ۔ (الروم ۲۱) ۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خاندان کے افراد کے مابین فطری محبت اور مودت رکھ دی ہے جس کی وجہ سے ان سے بعید ہے کہ وہ ایک دوسرے کا برا سوچیں۔خود غرضی اور دیگر شہوات نفسانیہ کی بدولت محبت اور مودت کے یہ جذبات اگر وقتی طور پر مغلوب ہو جائیں تو اور بات ہے وگرنہ عام حالات میں اس محبت ورحمت کے مظاہر مختلف اشکال میں دیکھے جاسکتے ہیں۔انسانی فطرت کا یہی وہ عنصر ہے جو ابتدائے کائنات لیکر اب تک اس بات کا کفیل بنا آرہا ہے کہ والدین کبھی اپنی اولاد کا برا نہیں چاہتے اور ہمیشہ ان کی منفعت کے خواہاں رہتے ہیں۔باہمی محبت ومودت کا یہی ضامن اولاد کو یہ اعتماد فراہم کرتا ہے کہ ان کے والدین ان کے خیر خواہ ہیں جن کے فیصلوں پر انہیں بے چون وچرا سر تسلیم خم کر دینا چاہیئے۔اگر آپ اپنے خاندانوں اور اپنے گردونواح کے حالات کا مطالعہ کریں گے تو معلوم ہوگا کہ شاذو نادر ہی ایسا ہوتا ہے کہ اس اعتماد کو کوئی ٹھیس پہنچے وگرنہ تو اکثر صورتوں میں یہ باہمی اعتماد، اچھے نتائج ہی کا سبب بنتا ہے۔چنانچہ افراد خاندان کے کے باہمی تعلق میں محبت اور مودت کے اس کفیل کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیئے اور نہ ہی اولاد کے بارے کیئے جانے والے فیصلوں میں والدین کی بدنیتی کو تلاش کرنا چاہیئے۔اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

"ووالد وماولد۔لقد خلقنا الانسان فی کبد" ۔

(البلد ۳۔۴) ۔

ترجمہ:اور باپ کی اور اس کی اولاد کی قسم ہے کہ بیشک انسان کو مصیبت میں پیدا کیا ہے۔

والد اور اولاد کا بایں طور تذکرہ اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ بچپن سے لیکر نشوونما کے تمام مراحل میں رشتہ ولدیت ہی کارگر ہوتا ہے۔اور رحمت کے گھر میں تیار خاندان ہی محفوظ ہوتا ہے۔قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرماتے ہیں۔

"رحمت اللہ و برکاتہ علیکم اھل البیت" ۔ (ھود ۷۳) ۔

ترجمہ:تم پر اے گھر والو! اللہ کی رحمت اور برکتیں ہیں۔

انہی وجوہ کی بنیاد پر نکاح میں مشاورت اور تولیت کنبے اور ماں باپ کی رکھی گئی ہے۔ کیونکہ حالات کی نزاکت کو سمجھنا اور بچے اور بچی کیلئے خیر کے پہلو کو سامنے رکھ فیصلہ کرنا قرابت داروں ہی کا کام ہے۔ عرب جاہلیت میں خاندانی حوالے سے بیشمار خرابیاں پائی جاتی تھی لیکن آپ ﷺ نے اس نظام کو ان جزوی خرابیوں کی وجہ سے ختم نہیں کر دیا بلکہ ان میں جو بے اعتدالیاں پائی جاتی ہیں ان کو دور کر دیا۔ مثلاً لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے کی بجائے ان کی صحیح پرورش پر والدین کو جنت کی بشارت سنائی گئی اور ظلم وتشدد کو ترک کر کے ان کو باہمی ہمدردی، ایثار اور صلہ رحمی کا حکم دیا۔ چنانچہ ضرورت اس امر کی ہے کہ موجودہ خاندانی نظام میں جو برائیاں ہیں ان کے حقیقی اسباب کو تلاش کر کے ان برائیوں کو دور کیا جائے نہ کہ اس بات کے درپے ہوا جائے کہ سرے سے اس نظام ہی کا خاتمہ کر دیا جائے اور بچوں کو تمام خاندانی اور اخلاقی بندشوں سے یکسر آزاد کر دیا جائے۔ ایسا کرنے سے ایک طرف تو یہ خرابی پیدا ہوگی کہ ناپختہ نوخیز نسل بے راہ روی کا شکار ہوگی اور دوسری طرف خاندانی سہارے کے بغیر نوبالغ بچے اپنے آپ کو اس وسیع وعریض دنیا میں یکا یک تنہا پائیں گے اور اکثر حالات میں معاشی بوجھ برداشت نہ کرنے کی وجہ سے جرائم کی طرف راغب ہوں گے خصوصاً ایک ایسے ملک میں جہاں سات کروڑ عوام خط غربت سے نیچے زندگی بسر کر رہے ہوں۔

صغر سنی کے نکاح سے متعلق چند گزارشات:

قبل اس کے کہ قرآن وسنت کے حوالہ سے نکاح صغار کے جواز پر بحث کی جائے اور اس سے متعلقہ دلائل کا ذکر کیا جائے، چند امور ملحوظ خاطر رکھنا ضروری ہیں۔

(۱) اسلام باہمی مرافقت، محبت، ایک دوسرے سے ہمدردی اور قرابت داروں سے صلہ رحمی کا حکم دیتا ہے اور اس مقصد کیلئے ایک کنبہ تشکیل دیتا ہے تاکہ ان امور کی انجام دہی فطری انداز میں ہو سکے۔

(۲) اسلام میں ماں، باپ اور اولاد کو ایک دوسرے کا فریق نہیں ٹھہرایا گیا کہ وہ خدانخواستہ ایک دوسرے کا نقصان ہی سوچیں گے بلکہ اس کے برعکس وراثت میں انہیں ایک دوسرے کا وارث بنا کر یہ فرمایا کہ "لاتدرون ایھم اقرب لکم نفعا" یعنی ایک دوسرے کیلئے کون زیادہ نافع ہے یہ اللہ ہی جانتا ہے۔ اور اسی بنیاد پر حقوق اور وراثت کی تقسیم ہے۔

(۳) خاندانی توازن کیلئے دونوں کو ایک دوسرے کے حقوق پورا کرنے کا ہدایت دی گئی ہے۔ اس سلسلہ میں والدین کو اولاد پر شفقت اور اولاد کو والدین کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے۔ شرک کے بعد سب سے بڑا گناہ عقوق والدین یعنی ان کی نافرمانی اور ان کو ستانا بتایا گیا ہے (بخاری) حتی کہ فرمایا کہ "ایما امراۃ نکحت بغیر اذن ولیھا فنکاحھا باطل باطل باطل" کہ جو عورت اپنے سرپرست کی اجا

زت کے بغیر نکاح کرے گی اس کا نکاح باطل ہے باطل ہے، باطل ہے۔(ترمذی)اور والدین کو فرمایا کہ:

" لاتنکح الثیب حتی تستامر ولا تنکح البکر حتی تستاذن واذنها الصمت " ۔

کہ بیوہ کا نکاح اس کے مشورہ سے اور کنواری کا نکاح اس کی اجازت سے ہوگا اور چپ ہونا اس کی اجازت متصور ہوگی نیز باپ کی اطاعت سب سے مقدم ہے حتی کہ ابراہیم علیہ السلام جب اسمٰعیل کیلئے پیغام چھوڑ گئے کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دے دیں تو اسماعیل علیہ السلام نے تعمیل حکم کرتے ہوئے ان کو طلاق دے دی۔(بخاری جلد اص ۴۷۵ تذکرہ ابراہیم علیہا السلام)۔اسی طرح جب ابن عمرؓ نے نبی ﷺ سے پوچھا کہ میرے والد یعنی عمرؓ فرماتے ہیں کہ اپنی بیوی کو طلاق دے دو۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "باپ کی اطاعت کرو" ۔

(۴) موجودہ دور میں یورپ کی دیکھا دیکھی پوری دنیا بے حیائی کی لپیٹ میں ہے۔فحاشی اور عریانی کی وجہ سے انسانی جذبات اور خواہشات میں ہیجان پیدا ہو رہا ہے اور ان کی حدت اور شدت کی وجہ سے بلوغت کے آثار جلد نمایاں ہو رہیں ہیں حتی کہ نو سال کی عمر کی لڑکیاں نہ صرف بالغ ہو رہی ہیں بلکہ بچے جن رہی ہیں۔چنانچہ ۹ سال کے بعد اٹھارہ یا پندرہ سال تک انتظار کرنا خصوصا ان حالات میں کہ والدین کے وسائل محدود ہوں ، بچیوں کی تعداد نسبتاً زیادہ ہو، بدامنی اور دہشتگردی کی وجہ سے ایک بڑی تعداد میں بچیاں یتیم ہو چکی ہوں۔مزید یہ کہ ماں، باپ یا دونوں کسی مہلک مرض میں مبتلا ہوں (اور یہ ساری صورتیں شاذ و نادر نہیں بلکہ ہر گلی محلہ میں ان مسائل کا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے) شادی کے بارے تحدید عمر بے شمار مسائل کو جنم دے گی۔ان حالات میں اگر کوئی نابالغ لڑکی اپنے والدین اور برادری کے صائب الرائے لوگوں سے مشورہ کر کے نکاح کا اپنا شرعی حق استعمال کرنا چاہے تو کیا عمر کی حد بندی اس لڑکی کے اس قانونی اور شرعی حق کو تلف کرنے کے مترادف نہیں ہوگی۔؟حقوق نسواں کا راگ تو الاپا جاتا ہے لیکن ایسی لڑکیوں کے حقوق کیوں یاد نہیں آتے؟اس لئے مدار تعیین عمر نہیں بلکہ لڑکی کی صحت اور قوت ہے۔اگر لڑکی کمزور ہے تو اسلام نکاح کے بعد رخصتی سے روکتا ہے اور اگر رخصتی ہوگئی ہے تو مجامعت سے منع کرتا ہے۔اس سلسلہ میں فقہاء کی درج ذیل عبارتیں ملاحظہ ہوں۔

" قال البزازی ولا یعتبر السن " ۔ (رد لمحتار) ۔

یعنی بزاز نے کہا کہ اس بارے عمر کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

" فان زعم الزوج انها تتحمل اللرجال وانکر الاب فالقاضی یریها النساء ولا یعتبر السن

" ۔ (ردالمحتار) ۔

یعنی اگر شوہر کہے کہ میری منکوحہ مرد کے قابل ہوگئی ہے اور منکوحہ کا باپ کہے کہ ابھی نہیں ہوئی تو قاضی عورتوں کو دکھلا کر معلوم کرے گا کہ وہ مرد کی طاقت رکھتی ہے یا نہیں اور عمر کا اعتبار نہ کرے۔

شریعت اسلامیہ نے اس وقت شوہر کو اس وقت تک بیوی سے جماع کرنے کی اجازت نہیں دی ہے جب تک وہ اس کی متحمل نہ ہو جائے اگر چہ اس کی عمر زیادہ ہی کیوں نہ ہوگئی ہو۔

" وان کا نت نحیفة مهزولة لا تطیق الجماع ویخاف علیها المرض لا یحل للزوج ان یدخل بها وان کبر سنها وهو الصحیح " - (فتاوی عالمگیری) -

یعنی اگر عورت دبلی ہو اور جماع کی طاقت نہ رکھتی ہو اور بیمار پڑ جانے کا اندیشہ ہو تو شوہر کو اس کے ساتھ جماع کرنا حلال نہیں اگر چہ اس کی عمر بڑی ہوگئی ہو۔ اور یہی قول صحیح ہے۔

" فی التتارخانیة البالغة اذا کانت لا تتحمل لا یو مر بدفعها الی الزوج " -

(ردالمحتار) -

یعنی تاتارخانیہ میں ہے کہ بالغہ لڑکی بھی اگر جماع کی طاقت نہ رکھتی ہو تو اس کو خاوند کے حوالہ کرنے کا حکم نہ دیا جائے۔ (از کفایت المفتی)

چنانچہ معلوم ہوا کہ اس اندیشے کا علاج وضع قانون نہیں بلکہ مذہب ہے۔ حیض، نفاس اور دیگر عوارض میں بھی مذہب ہی بچاتا ہے نہ کہ کوئی قانون۔

(۵) اگر اس پابندی کی وجہ سے نوجوان لڑکے اور لڑکیوں سے گناہ سرزد ہو جاتے ہیں تو ان کا ذمہ دار کون ہوگا۔

(۶) یہ بھی کہا جاتا ہے کہ کمسنی کے نکاح سے تو بچے جلدی پیدا ہوتے ہیں جس کی وجہ سے لڑکی کی صحت پر برا اثر پڑتا ہے۔ لیکن یہ بات تعجب خیز ہے کہ اگر حلال طریقے سے جنسی تعلق کے قیام سے صحت پر برے اثرات پڑتے ہیں تو کیا حرام طریقے سے صحت پر کوئی اثر نہیں پڑے گا جبکہ روزمرہ کا مشاہدہ ہے کہ بغیر نکاح کے بچے پیدا ہو رہے ہیں۔ انہی میں سے صرف ایک واقعہ کی مثال دیتا ہوں۔ بندہ کا ایک قریبی عزیز ایک چک میں امام رہا ہے۔ وہ بتاتا ہے کہ اس چک کے قریب ایک ریت کا ٹیلہ تھا وہاں کے زمینداروں نے جب اس کو ہموار کیا تو اس ٹیلہ سے مٹی کی ۲۷ چاٹیاں برآمد ہوئیں جن میں نومولود بچے ڈال کر دفن کیئے ہوئے تھے یہ تو محض ایک چک کی مشاہداتی مثال ہے۔ اگر اس طرح کے کیسز کا باقاعدہ سروے کرایا جائے اور وہ ریکارڈ پر آجائیں تو معلوم ہو جائے گا کہ حالات کس

حد تک بگاڑ کا شکار ہو چکے ہیں ایڈ ز کے جھولے جو روزانہ ایسے نومولود بچوں سے بھرے ہوتے ہیں وہ اس بات کے کھلے شاہد ہیں ۔جن لوگوں کی یہ حضرات نقل اتار رہے ہیں وہ تو رحمٰن کے باغی ہیں، کیا یہ ان بے حیا لوگوں کی صف میں شامل ہونا چاہتے ہیں؟

امریکہ کے سابق صدر بل کلنٹن کی بیوی پشاور یونیورسٹی کے دورہ پر آئی۔سوالات و جوابات کی نشست میں لڑکیوں نے اس سے سوال کیا کہ لڑکیوں کے حوالہ سے تمہارے ملک کو کس مشکل مسئلہ کا سامنا ہے؟اس نے جواب دیا

کہ کالج اور یونیورسٹی کی لڑکیاں بچے جن دیتی ہیں اور ان کو ہسپتالوں میں حکومت کو پالنا پڑتا ہے جو کہ انتہائی مشکل ترین مسئلہ ہے۔اس پر لڑکیوں نے پوچھا کہ اس کا حل کیا ہے؟اس نے جواب دیا کہ اس کا حل مذہب ہے جس کو ہم لوگ چھوڑ چکے ہیں۔

(۵) طبی حوالہ سے یہ امر ثابت شدہ ہے کہ اگر لڑکی کے جنسی جذبات کی بروقت تسکین نہ ہو اور اس کی شادی نہ ہو تو اس کے رحم پر منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں اور جس سے اختناق الرحم کی بیماری پیدا ہو جاتی ہے اس کے علاوہ دل کے دھڑکن میں عدم توازن پیدا ہوتا ہے جس کی وجہ سے لڑکی بے ہوش تک ہو جاتی ہے اور مسلسل بے خوابی کا شکار رہنے لگ جاتی ہے۔

چنانچہ اس سے واضح ہوتا ہے کہ بیماریاں جلد شادی کی وجہ سے نہیں بلکہ اس میں تاخیر کے باعث پیدا ہوتی ہیں۔

(۶) یہ بھی شوشہ چھوڑا جاتا ہے کہ اس کی وجہ سے تعلیم کا حرج ہوتا ہے۔یہ بات بھی غلط ہے۔پہلے تو یہ بات دیکھیے کہ پاکستان میں تعلیم کتنی سستی ہے؟ کتنے لوگ ہیں جو تعلیم تک رسائی رکھتے ہیں؟ پھر تعلیم کی ذمہ داری ماں باپ پر عائد ہوتی ہے وہی بہتر جان سکتے ہیں کہ کب نکاح کرنا ہے اور کب تک بچی کو تعلیم دلانی ہے۔اگر والدین و برادری تمام حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے لڑکی کی رضا یا اس کی طلب پر اس کا نکاح کر دیتے ہیں یا اس کے ساتھ ہی اس کی رخصتی بھی کر دیتے ہیں تو ان قانون دانوں کو کس نے یہ حق سونپا ہے کہ وہ لڑکی کے اس حق کو سلب کر لینا چاہتے ہیں۔

(۷) یہ تمام حد بندیاں دراصل اسی شاردہ بل کا ایک تسلسل ہیں جس کو یکم اپریل ۱۹۳۰ء کو ہندوستان میں مسلمانوں کو جبراً نافذ کیا گیا تھا اور معاشرہ کو بے حیائی، حرام کاری، تباہی اور اللہ کے غضب کی طرف لے جانے کی کوشش ہے۔اسلام نے معاشرتی پاکیزگی کا جو راستہ بتایا ہے وہ یہی ہے کہ حسب توفیق نکاح کو فروغ دیا جائے اور اور بچوں اور بچیوں کو جلد از جلد شادی کے بندھن میں باندھا جائے۔

صغر سنی کے نکاح کے جواز پر شرعی دلائل:

قرآن حکیم میں متعدد مقامات پر مختلف آیات میں نکاح کا تذکرہ آیا ہے لیکن کہیں بھی یہ نہیں کہا گیا کہ صغر سنی نکاح سے مانع ہے۔مثلاً نکاح کی شرائط بیان کرتے ہوئے یوں کہا گیا کہ:

" واحل لکم ماوراء ذلکم ان تبتغوا با موالکم محصنین غیر مسفحین " ۔

(سورۃ النساء آیت :۲٤) ۔

ترجمہ:"اور حلال ہیں تم کو سب عورتیں ان کے سوابشرطیکہ طلب کروانکو اپنے مال کے بدلے قید میں لانے کو نہ کہ مستی نکالنے کو"

یعنی سابقہ آیات میں جو محرمات بیان ہوئی ہیں ان کے علاوہ باقی سب عورتوں سے ان شرائط کے ساتھ نکاح جائز ہے ۔شرط اول: ایجاب قبول ہو۔شرط ثانی: حق مہر کے عوض ہو۔شرط ثالث: وقت کی تعیین نہ ہو۔شرط رابع: گواہوں کی موجودگی میں نکاح ہو۔

اس کے علاوہ دیگر آیات مبارکہ میں بھی عمر کی شرط کے بغیر ہی نکاح کی حلت کو بیان کیا گیا ہے۔بلکہ صغیرہ مطلقہ کی عدت یوں بیان کی گئی ہے:

" واللائی یئسن من المحیض من نسائکم ان ارتبتم فعدتھن ثلا ثۃ اشھر واللائی لم یحضن " ۔ (سورۃ الطلاق آیت ٤) ۔

ترجمہ: اور جو عورتیں نا امید ہوگئیں حیض سے تمہاری عورتوں میں اگر تم کو شبہ رہ گیا ہے تو انکی عدت ہے تین مہینے اور ایسے ہی جن کو حیض نہیں آیا۔

صغیرہ مطلقہ جس کو طلاق ہو جائے تو اسکی عدت تین ماہ بیان کی گئی ہے۔اگر صغیرہ کا نکاح ہی ممنوع ہے تو عدت کاہے کی؟ یہ آیت واضح کرتی ہے کہ صغیر اور صغیرہ کا نکاح کوئی ممنوع نہیں ہے۔بلکہ قرآن مجید میں اس کی مزید وضاحت موجود ہے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

" اذا بلغوا النکاح فان آنستم منھم رشدا فادفعوا الیھم اموالھم " ۔

(سورۃ النساء آیت:٦) ۔

ترجمہ:"اور سدھاتے رہو یتیموں کو جب تک پہنچیں نکاح کی عمر کو پھر دیکھو ان میں ہوشیاری تو حوالہ کر دو ان کے مال ان کے کو"

یعنی یتیم کو مال اس وقت حوالے کیا جائے گا جب وہ سن رشد کو پہنچ جائے ،تاہم نکاح کیلئے محض بلوغت ہی کافی ہے اسی لئے بلوغت کو نکاح سے تعبیر کیا۔

قرآن کے علاوہ احادیث، آثار صحابہ، اور فقہاء کرام کی آراء اسی بات کی تائید کرتی ہیں کہ نکاح کیلئے کسی عمر کی حد کی ضرورت نہیں جیسا کہ حضرت عائشہ کے بارے میں آتا ہے کہ آپ ﷺ نے ان سے نکاح کیا جب کہ ان کی عمر چھ سال تھی اور ان کی رخصتی ہوئی جب کہ ان کی عمر نو سال تھی۔ حضرت عائشہؓ خود فرماتی ہیں کہ:

" تزوجنی رسول اللہ ﷺ وانا ابنة ست سنین وبنی بی وانا ابنة تسع "

(کہ آپ ﷺ نے میرے ساتھ چھ سال کی عمر میں شادی کی اور نو سال کی عمر میں میری رخصتی ہوئی'') متفق علیہ۔

☆ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی بیوی نے اپنی چھوٹی بچی کا نکاح مسیب بن نخبۃ کے چھوٹے بچے کے ساتھ کر دیا اور عبداللہ بن مسعود نے اس کی اجازت دے دی۔

☆ حضرت عبداللہ بن حسن کو ایک شخص نے اپنی بچی دے دی اور حضرت علیؓ نے اس کی اجازت دے دی۔

☆ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے اپنی بھتیجی کی شادی اپنے بھانجے کے ساتھ کردی حالانکہ وہ دونوں چھوٹے تھے۔

(بحوالہ: بحث بعنوان الزواج المبکر مقدم من القاضی خالد محمود ربابعة لموتمر القضاء الشرعی)

تحدید عمر کے سلسلے میں مفتی کفایت اللہؒ کی رائے:

کفایت المفتی میں مفتی صاحبؒ نے اس مسئلہ پر بحث فرمائی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ مفتی صاحب فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کے نزدیک عقد نکاح کی حیثیت محض معاشرتی معاہدے کی نہیں ہے بلکہ اسلام میں اس کو باقاعدہ ایک عبادت کا درجہ دیا گیا ہے جو کہ عام حالات میں مباح ہے لیکن بعض مخصوص حالات میں واجب اور فرض کا درجہ اختیار کر لیتی ہے اور ایسا اس وقت ہوتا ہے جبکہ کہ کسی شخص کو گناہ میں مبتلا ہونے کا خوف ہو۔ اس لئے اس سلسلہ میں تحدید عمران افراد کو عبادت سے روکنے کے مترادف ہوگی جو اس کے ذریعے سے گناہ سے بچ کر تقرب الہی کے خواہشمند ہیں۔

جو لوگ کہتے ہیں کہ صغرسنی کا نکاح بچی کی صحت پر برا اثر ڈالتا ہے، مفتی صاحبؒ نے اپنی اس بحث میں ان لوگوں کے اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ نکاح، رخصتی اور مجامعت تین مختلف چیزیں ہیں نکاح کے جواز کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ضرور بچی سے مجامعت بھی ہو بلکہ اس کے برعکس اگر نو بالغ یا نابالغ بچی کا متولی یہ سمجھتا ہے کہ ابھی اس کی بچی کسی وجہ سے مجامعت کے قابل نہیں ہوئی تو اس کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ فی الوقت بچی کو رخصت کرنے سے انکار کردے اور اس بات پر مفتی صاحب نے متعدد کتب فقہ سے فقہاء کرام کی عبارتوں کے حوالے نقل کیے ہیں۔ صغرسنی کا نکاح ان لوگوں کیلئے الجھن کا باعث بنتا ہے جو نکاح کا لازمی اور اکلوتا مقصد

مجامعت کو سمجھتے ہیں۔حالانکہ اس قسم کے نکاح کے اور بھی مقاصد ہو سکتے ہیں۔مثلاً

۱۔شوہر کو فی الوقت ایک محرم راز کی ضرورت ہو اور مجامعت اس کا مقصد نہ ہو۔

۲۔بچی کے والدین مفلوک الحال ہوں اور ان کی نکاح سے نیت یہ ہو کہ نکاح سے جو رقم بطور حق مہر کے حاصل ہو اسے لڑکی کی ضروریات اور تعلیمی اخراجات پر خرچ کریں

۳۔اپنے ضعف اور بڑھاپے کی وجہ سے وہ یہ چاہتے ہوں کہ اپنی زندگی میں ہی لڑکی کیلئے کوئی اچھا جیون ساتھی تلاش کر جائیں تا کہ ان کی وفات کے بعد ان کی بچی اچانک بے سہارا نہ رہ جائے۔اگر عمر کی کوئی قید لگا دی جائے تو یہ والدین کیلئے پریشانی کا باعث بنے گی کیونکہ باوجود اس کے کہ وہ اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہو سکتے ہیں لیکن قانون کی رکاوٹ آڑے آنے کی وجہ سے وہ اپنی بچی کی آئندہ زندگی کو محفوظ کرنے کیلئے کوئی اقدام نہیں کر سکتے۔

اس قسم کی تعیین میں اور بھی قباحتیں ہیں جن کو مفتی صاحبؒ نے اپنی اس بحث میں بیان کیا ہے جن کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

۱۔نکاح چونکہ ایک مذہبی حیثیت بھی رکھتا ہے اس لئے اس قسم کی کوئی بھی حد بندی مذہب و شریعت میں مداخلت کے مترادف ہوگی۔اوپر بیان ہو چکا کہ بعض صورتوں میں نکاح واجب ہو جاتا ہے۔اس قسم کا کوئی بھی قانون مسلمانوں کو ان کے مذہبی واجبات کی ادائیگی میں رکاوٹ ہوگا جس کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔مزید برآں بلوغت کے بعد اس طرح کی حد بندیاں بالغ لڑکیوں کو گناہ کی طرف مائل کر سکتی ہیں خصوصاً متوسط طبقے میں جس کے ذمہ دار لوگ اپنے معاش کے سلسلہ میں عموماً گھر سے باہر رہتے ہیں اور ان کیلئے یہ بات مشکل ہوتی ہے کہ وہ ہر وقت اپنی اولاد پر کڑی نگاہ رکھیں۔

۲۔اس قسم کی کسی بھی حد بندی سے ہم ان تمام تمدنی فوائد سے ہم محروم ہو جائیں گے جو نکاح صغار میں مقصود ہو سکتے ہیں۔مثلاً سہولت پرورش اور بچی کی تعلیم وغیرہ۔

۳۔اس قسم کا کوئی بھی قانون بہت سے اسلامی ابواب کے ابطال کے مترادف ہوگا۔مثلاً ولایت اور حقوق اولیاء وغیرہ۔

چنانچہ نکاح کے سلسلہ میں کوئی حد مقرر نہیں کی جا سکتی۔اب دوسرے بات یہ ہے کہ آیا وداع یعنی رخصتی کی کوئی حد ہو سکتی ہے تو اس کا جواب بھی نہ میں ہے کیونکہ اس کا مدار لڑکی کی جماع پر قوت اور صلاحیت پر ہے اور اس کا مدار کسی مخصوص سن پر نہیں ہے بلکہ آب و ہوا اور علاقوں کے تبدیلی اور دوسرے متعلقہ عوامل کی وجہ سے بعض علاقوں کے بچے جلد بالغ ہو جاتے ہیں اور بعض میں نسبتاً دیر سے بالغ ہوتے ہیں۔پھر صلاحیت جماع کا تعلق بلوغ یا کسی خاص سن سے نہیں ہے کہ ایسا کرنے سے مسئلہ حل ہو جائے گا بلکہ اس کا

تعلق عورت کے جسمانی قویٰ اور بدنی طاقت پر ہے۔کوئی لڑکی بارہ سال کی عمر میں اتنی طاقتور ہو جاتی ہے کہ دوسری سولہ سترہ سال کی عمر میں بھی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔دوسرا یہ کہ اس قسم کی تحدید کا مسلمانوں کو کوئی فائدہ نہ ہوگا کیونکہ مسلمانوں میں کم عمری میں وداع کرنے کا کوئی رواج نہیں۔شاذونادر واقعات کا کوئی اعتبار نہیں۔شاذونادر واقعات کو وضع قانون کی دلیل نہیں بنایا جاسکتا۔اور بیان کیا جاچکا کہ خاوند یا اس کے اولیاء لڑکی کے اولیاء سے اس بات کا مطالبہ نہیں کر سکتے کہ ناقابل جماع لڑکی ان کے حوالے کر دی جائے۔اگر بفرض محال لڑکی خاوند کے پاس پہنچ بھی جائے تو خاوند کو شریعت اسلامیہ مذہباً مجامعت سے روکتی ہے۔اس کے بعد مسلمانوں کو کسی قانون کی ضرورت نہیں رہتی۔کمزوری اور مجامعت جس میں عورت وطی اور مجامعت کے لائق نہ ہو صرف کم عمری میں منحصر نہیں بلکہ مریضہ اور حاملہ جو قریب الولادت ہو اور حائضہ اور نفساء یہ سب عورتیں ناقابل وطی ہیں۔اسلامی قانون ان سب کو شامل ہے اور مجوزہ قانون ان متعدد اقسام میں صرف ایک قسم کیلئے کچھ چارہ کار ہو سکتا ہے باقی اقسام کا ضرر بحال خود قائم رہے گا۔حالانکہ بعض مریضہ عورتوں یا حاملہ عورتوں یا قریب الولادت یا نفاس والی عورتوں سے جو مجامعت کی جاتی ہے وہ بعض اوقات اتنی مضر ہوتی ہے کہ نابالغہ مراہقہ سے وہ اتنی مضر نہیں ہوتی۔اس لئے صرف عمر کی تعیین سے اس مضرت کی تلافی نہیں ہوسکتی جو عورتوں کو ان کے خاوندوں کی بے اعتدالی سے پیش آتی ہے۔زناشوئی کے تعلقات میں بہت سی بے اعتدالیاں جاہل خاوندوں سے سرزد ہو جاتی ہیں۔مثلاً کثرت جماع،وطی فی الدبر وغیرہ مگر قانون اس کا علاج کرنے سے ہمیشہ قاصر رہا ہے۔جس کی وجہ سے عورتوں کی خلقی حیاء اور تعلقات زوجیت کو گوناگوں بندشیں ہوتی ہیں جو عورت کو عدالت جانے اور قانونی چارہ جوئی کرنے سے روکتی ہیں۔پس ان چیزوں کا صحیح علاج مسلمانوں کی لئے مذہبی احکام کی تبلیغ و تفہیم ہے نہ کہ وضع قانون۔

ابوالفتح محمد یوسف عفی عنہ

ممبر اسلامی نظریاتی کونسل اسلام آباد۔

۲۵ ربیع الثانی ۱۴۳۳ھ بمطابق ۱۹ مارچ ۲۰۱۲ء

ساردہ بل جس کا مضمون میں تذکرہ ہوا ہے اس کی منظور شدہ دفعات درج ذیل ہیں۔

ساردہ بل کی منظور شدہ دفعات:

۱۔(الف)اس کا نام قانون انسداد بچگان ہوگا۔

(ب)اس کا نفاذ تمام برطانی ہند میں ہوگا۔برطانی بلوچستان اور سنتال پرگنہ میں بھی عائد ہوگا۔

(ج) اس پر عملدرآمد یکم اپریل ۱۹۳۰ء سے شروع ہوگا۔

۲۔(الف) اس قانون میں "بچہ" سے مراد ۱۸ سال سے کم عمر کا لڑکا اور ۱۴ سال سے کم عمر کی لڑکی ہے۔

(ب) شادی بچگان سے مراد ایسی شادی ہے جس میں دلہا یا دلہن "بچہ" ہو۔

(ج) فریقین شادی سے مراد وہ شخص ہیں جن کی شادی ہو۔

(د) نابالغ سے مراد ۱۸ سال سے کم عمر کا لڑکا یا لڑکی ہے۔

۳۔ جو مرد ۱۸ سے ۲۱ سال کی عمر کے درمیان بچپن کی شادی کرے گا اسے ایک ہزار روپیہ تک جرمانہ کی سزا دی جائے گی۔

۴۔ جو مرد ۲۱ سال سے زائد عمر میں بچپن کی شادی کرے گا وہ ایک ماہ تک قید محض یا ایک ہزار روپیہ جرمانہ یا قید و جرمانہ کی سزا کا مستوجب ہوگا۔

۵۔ جو کوئی بچپن کی شادی کا انتظام کرے گا، اس کی راہنمائی کرے گا یا رسم ادا کرائے گا وہ ایک ماہ قید محض یا ایک ہزار روپیہ جرمانہ یا قید و جرمانہ کی سزا کا مستوجب ہوگا اگر وہ ثابت نہ کر سکے کہ اس کے پاس یہ باور کرانے کی وجوہات تھیں کہ وہ شادی بچپن کی شادی نہیں تھی۔

۶۔(الف) اگر کوئی نابالغ بچپن کی شادی کرلے تو وہ آدمی جو ماں باپ یا سرپرست یا کسی دیگر قانونی یا غیر قانونی حیثیت سے اس نابالغ کا انچارج ہو اور اس شادی کے لئے کوئی کاروائی کرے یا شادی کی اجازت دے یا لاپرواہی کی وجہ سے اس شادی کو منع نہ کرے اسے ایک ماہ قید محض یا ایک ہزار روپیہ جرمانہ یا قید و جرمانہ کی سزا ملے گی لیکن عورتوں کو قید کی سزا نہیں دی جائے گی۔

(ب) بشرطیکہ کی برعکس ثبوت بہم پہنچایا جائے یہ تصور کرلیا جائے گا کہ نابالغ کے بچپن کی شادی کرنے میں نابالغ کا سرپرست لاپرواہی کی وجہ سے شادی کو روکنے میں ناکام رہا ہے۔

۷۔ ۱۸۹۷ء کے جنرل کلازیوا ایکٹ کی دفعہ ۲۵ یا تعزیرات ہند کی دفعہ ۶۴ کے باوجود کوئی عدالت اس قانون کی دفعہ ۳ کے مطابق کسی مجرم کو سزا دیتے ہوئے اس بات کی مجاز نہ ہوگی کہ بصورت عدم ادائیگی جرمانہ ملزم کو قید کی سزا دے سکے۔

۸۔ ضابطہ فوجداری ۱۹۲۸ء کی دفعہ ۱۹۰ کے باوجود پریذیڈنسی مجسٹریٹ یا ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کے سوا کسی بھی عدالت کو اس قانون کے ماتحت کسی بھی جرم کی سماعت یا اس میں دست اندازی کرنے کا اختیار نہ ہوگا۔

۹۔اس قانون کے متعلق کسی جرم کے بارے میں عدالت اس وقت تک غور نہیں کرے گی تاوقتیکہ استغاثہ شادی (جس سے وہ جرم تعلق رکھتا ہو) کو ایک سال ہونے سے پہلے پہلے دائر نہ کیا گیا ہو۔

۱۰۔اس قانون کے ماتحت کسی جرم کی سماعت کرنے والی عدالت بشرطیکہ وہ زیر دفعہ ۲۰۳ ضابطہ فوجداری استغاثہ کو خارج نہ کرے یا تو خود ضابطہ فوجداری کی دفعہ ۲۰۲ کی رو سے تحقیقات کرے گی اور یا اپنے ماتحت کسی مجسٹریٹ درجہ اول کو ایسا کرنے کی ہدایت کرے گی۔

۱۱۔(الف) مستغیث کا بیان لینے کے بعد اور ملزم کو حاضر ہونے کے لئے مجبور کرنے سے پہلے عدالت (سوائے اس حالت کے جبکہ تحریری وجوہات دی گئی ہوں) مستغیث سے اس معاوضہ کی ادائیگی کے لئے جو زیر دفعہ ۲۵۰ ضابطہ فوجداری اس پر لازم ہوسکتا ہے ایک سو روپیہ تک کی ضمانت کے ساتھ یا بلا ضمانت مچلکہ طلب کرے گی اور اگر وہ ضمانت عدالت سے مقرر کردہ میعاد کے اندر اندر داخل نہ کی جائے تو استغاثہ خارج کر دیا جائے گا۔

(ب) اس قانون کے تحت جو مچلکہ لیا جائے گا وہ ضابطہ فوجداری کے مطابق لئے گئے مچلکہ جیسا ہی سمجھا جائے گا اور اس لئے اس پر ضابطہ فوجداری کا باب عائد ہوگا۔

......☆☆☆☆☆......

......☆ انتقال پرملال ☆......

نوجوان حافظ القرآن حافظ احمد جان جواد آف گلستان 5 نومبر کو شہید ہوگئے ہیں۔ان اللہ وانا الیہ رجعون o

اللہ تعالیٰ اپنے قرب وجوار میں جگہ عنایت فرمائیں۔اور لواحقین کو صبر جمیل سے نوازیں۔

حافظ کی شہادت پر المباحث الاسلامیہ گہرے رنج و دکھ کا اظہار کرتا ہے۔اور اپنے قارئین سے دعا کی درخواست کرتا ہے۔

شکریہ......(رشید احمد حقانی کوئٹہ بلوچستان)۔